# واجد علی شاہ بطور سفر نامہ نگار

ڈاکٹر ثمینہ گُل شعبہ اردو / مسز رقیہ شبیر / صائمہ یوسف
شعبہ اردو یونی ورسٹی آف لاہور سرگودھا کیمپس

## Abstract

Wajid Ali Shah gained extraordinary fame due to the arts in India. His travelogue is actually the story of Wajid Ali Shah's own life. In which he described his internal observations and did not ignore externalism. Although the king wrote this autobiography in this book, all the events and circumstances of life have been described. He has also presented his observations in poetry along with his internal expression in his travelogue. He has seen the feelings and problems of those traveling with him very deeply and closely. When the easy-seeking and luxurious king had to go through the difficult path of traveling like a common man, the sensitive king woke up, and he recorded all those conditions in the form of an incident. Wajid Ali Shah had the power of language and speech, and his poetry was fluent. Masnavi Hazan Akhtar used polite and clear language. He has described various events with extraordinary force in Masnavi. The journey to Calcutta strengthened the tradition of manzum travelogue; it starts with the poems of Masnavi Hamd, and the next article starts with Saqi Nama. This masnavi ends with prayers. Prayers are offered for the people of India. This Masnavi "Hazan Akhtar" travelogue holds an important

**کلیدی الفاظ: مثنوی "حزن اختر" از واجد علی شاہ اردو کا اہم منظوم سفر نامہ ہے۔**

واجد علی شاہ نے ہندوستان میں فنونِ لطیفہ کے سبب غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ مؤرخ ادبی تاریخ والد کا نام امجد علی شاہ اور والدہ ملکہ کشور سلطانہ کے نام سے متفق ہیں۔ جائے پیدائش اودھ قرار پائی۔ پابندِ شرع والد نے بیٹے واجد علی شاہ کی تربیت علماء کی صحبت میں رکھ کر کی اور زہد و تقویٰ کے راستے دکھائے مگر واجد علی شاہ کے فطری رجحان کو وہ تبدیل نہ کر سکے۔ لہٰذا میزان الطب اور شرح اسباب جیسی دو کتابیں مولوی امداد حسین سے پڑھنے کے باوجود زہد و تقویٰ کو نہ اپنا سکے۔ انھوں نے فنِ شاعری میں برق لکھنوی اور موسیقی میں قطب علی خاں کی شاگردی اختیار کی۔ واجد علی شاہ کی پہلی شادی پندرہ سال کی عمر میں 1837ء میں عالم آرا بیگم کے ساتھ ہوئی وہ ستار بجانے میں خاص مہارت رکھتی تھیں۔ واجد علی شاہ نے بیس سال کی عمر میں 1847ء کو اپنے والد امجد علی شاہ کی وفات کے بعد تخت نشینی کو سنبھالا۔ واجد علی شاہ نہایت رحم دِل اور عوام دوست حکمران تھا اِس نے کبھی کسی درباری کے ساتھ بد سلوکی نہیں کی۔ شروع سے ہی اِنتظام مملکت میں دلچسپی لی۔ وہ فن تعمیر کا دلدادہ تھا دیوانِ دلکشا، بارہ دری نہر و پل بنوائے۔ انہوں نے محل میں سنگ مرمر سے تصویریں بنوائیں اِن عمارات پر کروڑوں روپیہ خرچ کیا۔ اس عظیم الشان ملک کی آمدنی دو کروڑ سالانہ سے کم نہ تھی۔ رنگین مزاجی کے سبب وہ برسات کے دنوں میں میلوں کا اہتمام کراتا جس میں رقص و سرور کی محفلیں منعقد کرائی جاتی۔ آغاز میں کبھی کبھی مگر بعد میں واجد علی شاہ نے اپنی زندگی کا معمول بنالیا اور محل میں درباریوں میں رقاصاؤں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ بادشاہ کے چند نالائق مصاحبوں اور بدخواہوں نے بادشاہ کے مزاج کو بدلا اور بادشاہ کو عیاش پرستی کی طرف راغب کر دیا محفل رقص و سرور کے علاوہ پھر کوئی شغل نہ رہا۔ مثنوی "غزالہ وماہ و پیکر" کی تصنیف سے جلسہ رہس کی بنیاد پڑی۔ صدہا خوبصورت اور خوش گلو طوائفیں ملازمت پر معمور کی گئیں جو محل شاہی کو اپنے پر اثر نغموں سے محظوظ کیے رکھتیں گویا عیش و عشرت ناچ گانے کی وجہ سے سلطنت میں حد درجہ بد نظمی پھیل گئی۔ اِس بد نظمی اور عیاشی کو روکنے کے لیے انگریزوں کو مداخلت کرنا پڑی اور 13 جنوری 1856ء کو سلطنت کو چھین لینے کا حکم سنا دیا گیا اور عظیم الشان سلطنت پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور سلطان عالم واجد علی شاہ کو معزول کر کے کلکتہ بھیجا گیا جہاں تقریباً ڈیڑھ دو سال ٹمیا برج میں نظر بند رہے۔ واجد علی شاہ نے اپنی مثنوی "حزنِ اختر" میں سوانحی حالات تحریر کیے ہیں جس میں انھوں نے سفر کے اسباب، آغاز، سفر کے دوران مشکلات قیام و طعام کے علاوہ اپنے ہم سفروں کا بھی مثنوی میں ذکر کیا ہے:

"رجب بروز پانچ شنبہ لکھنؤ سے کلکتہ کے سفر کا آغاز ہوا اس کے بعد "غدر" کی وجہ بیان کی ہے اور پھر اپنا قید کیے جانے کا اس طرح لکھا ہے جیسا اس طرح بیان کیا ہے کہ پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔اس کے بعد وہ چھوٹے بڑے واقعات بیان کیے ہیں جن سے وہ اس عرصے میں دوچار ہوئے مثلاً وہ لوگ جو ان کے ساتھ گئے اور بہانے سے واپس چلے آئے،ان کی تفصیل دی ہے۔"(1)

واجد علی شاہ بنارس کے راستے کلکتہ گئے۔یہ سفر انھوں نے بحری راستے سے کیا جس کے باعث بادشاہ کو بہت تکلیف ہوئی۔بادشاہ نے اپنا رختِ سفر باندھا۔سفر کا آغاز واجد علی شاہ نے ان اشعار سے کیا:

"دوستو شادر ہو تم خدا کو سونپا
ہم نے اپنے دل ناک کو جفا کو سونپا
قیصری باغ جو اس کو صبا کو سونپا
در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں
سارے اب شہر سے ہوتا ہے یہ اختر رخصت
آگے بس اب نہیں کہنے کی ہے مجھ کو فرصت
ہو نہ برباد مرے ملک کی یار ب خلقت
درودیوار میں حسرت سے نظر کرتے ہیں
خوش رہو اہل، وطن ہم تو سفر کرتے ہیں "

(2)

واجد علی شاہ کے سفر کی پہلی منزل کانپور تھی۔وہاں انھوں نے برنڈن کے بنگلے میں ایک ماہ قیام کیا۔

"رجب بھر رہے کانپور میں مقیم
برنڈن کے بنگلے میں باخوف وبیم"(3)

وہ کانپور سے روانہ ہوئے اور پھر ایک دن فتح پور میں کرائے کے بنگلے میں قیام رہے۔ان کا اگلا پڑاؤ بنارس تھا بنارس میں ان کا یاد گار وقت گزرا۔وہ وہاں کے بادشاہ کے حسن سلوک سے متاثر ہوئے جس کا اظہار انھوں نے اس انداز سے کیا:

"بنارس کا راجا عجب نیک تھا
ہزاروں میں لاکھوں میں وہ ایک تھا
عجب لطف سے پندرہ دن رہے
کہ کچھ عیش رفتہ بھی یاد آگئے"

(4)

واجد علی شاہ مختلف مقامات سے گزرے انھوں نے جن دو جگہوں میں قیام کیا ان کا ذکر بھی کیا وہ انیس دنوں میں 1857ء کو کلکتہ پہنچے۔تو انھیں انگریزوں نے قلعہ فورٹ ویلیم میں نظر بند کر لیا۔کلکتے کی حالت کو بادشاہ نے اس طرح بیان کیا ہے:

"آکے داخل ہوئے ، جو کلکتے
کاٹے کھاتے ہیں باغ کے پتے

رات دن مینہ کا زور برق کا شور
رعد کا جھگھٹا، ہوا کا زور
آدمی ہیں یہاں کے بے ایمان
کچھ سوا کفر کے نہیں ہیں نشاں
ہیں دغا باز فیلسوف یہاں
حسد کے دیکھے ہیں بے وقوف یہاں
عورتیں بے حیا زنانے مرد
سر بھی جائے نہ ہو کسی کو درد
گوشت، گھی، تیل، پانی سب بدتر
ایک کی ایک کو نہیں ہے خبر
ہے یہ ٹکڑا زمیں دوزخ کا
ہوئی جس پر بنائے کلکتا
ایسی ایذا اٹھائی ہے اس جا
جہاں اب لب پہ آئی ہے اس جا"

(5)

وہ یہاں آکر بیمار ہو گئے طبیعت کی ناسازی کے باعث خود کالندن جاناملتوی ہوا۔ انھوں نے اپنے بھائی اور والدہ کو لندن کی طرف روانہ کر دیا۔ مثنوی "حزنِ اختر" میں وہ اپنی علالت کو اس کیفیت کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

"طبیعت ہوئی یہاں زیادہ علیل
نہ لندن میں جانے کی نکلی سبیل
غرض ماہ شوال جب آگیا
یہ بندہ علالت سے گھبرا گیا
جو تاریخ اس کی ہوئی چودھویں
کیابیٹا ماں رخصت وہیں۔"

(6)

واجد علی شاہ نے بیماری کے بعد صحت غسل کیا اور تمام بیبیوں کو لندن کی طرف روانہ کر دیا کلکتہ میں اپنے احباب کے ساتھ رہے لکھنؤ سے اربابِ نشاط اور انگریزوں کے ہاتھوں تنگ ہو کر کئی گروہ کلکتہ آ گئے۔ چالیس ہزار ہنر مند اہلِ فن لکھنؤ سے کلکتہ آئے مٹیا برج ایک بار پھر لکھنؤ کا سماں پیدا کرنے لگا۔ یہاں آکر وہی لکھنؤ کی زبان، شاعری، اور دوستوں کی بذلہ سنجیاں شروع ہو گئیں مٹیا برج میں تفریحی سامان کے علاوہ زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق تمام ضروریات کو پورا کرنے کے انتظامات تھے۔ علماء، شعراء اور مستند ادیبوں کی بڑی تعداد نے واجد علی شاہ کے قرب کے لیے ہجرت کی اور وہ مٹیا برج پہنچے۔ بادشاہ کی علم دوستی اور ہنر پروری کی بدولت مٹیا برج علوم و فنون کا گہوارہ بن گیا۔ واجد علی شاہ متنوع خصوصیات کے حامل تھے۔ ان کی شخصیت میں غیر معمولی خوبیاں تھیں خاص طور پر وہ بیک وقت شہنشاہ، آرٹسٹ، فنکار، شاعر و ادیب کے علاوہ صاف گوئی اور بدیہہ گوئی میں بھی مہارت رکھتے تھے زبان کی صفائی، صحت، بندش جیسی خیالات کی روانی اور تراش خراش میں اپنی مثال آپ تھے۔

واجد علی شاہ کا کلام ہر صنف میں موجود ہے غزل، سلام، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ کے علاوہ نثر میں بھی کتابیں لکھیں۔ لیکن اِن کو شاعری کے فن میں کمال حاصل تھا۔ واجد علی شاہ کے منظوم کلام کی پینتیس جلدیں موجود ہیں۔ واجد علی شاہ کے باقی کلام کی طرح مثنوی "حزن اختر" کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے یہ مثنوی اُنھوں نے لکھنؤ سے کلکتہ جاتے ہوئے لکھی۔ واجد علی شاہ کی آپ بیتی نما مثنوی "حزن اختر" 1859ء میں تحریر کی گئی اور سال طباعت 1880ء کلکتہ ہے۔ عبدالحلیم شرر کے مطابق مثنوی "حزن اختر" مٹیا برج میں قید فرنگ کے دِنوں کی یادگار ہے جس میں اُنھوں نے اپنی خود نوشت منظوم کی ہے۔ اِس مثنوی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کہیں بناوٹ نہیں ہے تصنع نہیں ہے بلکہ اپنی دلی کیفیات کو بیان کیا ہے۔ مثنوی "حزن اختر" کا آغاز حمد، نعت، منقبت، ساقی نامہ، درصفتِ کرنل کو نیا صاحب بہادر، دربار صفت، بیت الخلاء، کے موضوعات پر نظمیں ہیں۔ اِس مثنوی میں پندرہ سو اشعار ہیں۔ اِس مثنوی میں اُنھوں نے اپنے سفر کے حالات بھی قلم بند کیے ہیں سفر کی مشکلات اور سفر میں اپنے ساتھ ہم سفروں کا ذکر کیا۔ واجد علی شاہ نے منظوم سفر نامے میں اپنی اِس تکلیف کو بیان کیا واجد علی شاہ نے ایک عام شہری کی حیثیت سے سفر کی صعوبتوں کا مقابلہ کیا۔ اِس منظوم سفر نامے میں اِن کے درد و الم کی داستان موجود ہے۔ مولانا عبدالحلیم شرر کے بیان کے مطابق:

"مثنوی کا پورا پس منظر واضح ہو جاتا ہے یہ مثنوی اپنے درد و سوز کے اعتبار سے خاصے کی چیز ہے اِس میں رفیقان گریز پا کا شکوہ ہے ممنون کرم اور زیر بار احسان لوگوں کی شکایت ہے، عزیزوں، قرابت مندوں جان نثاروں، قدر کاروں اور دعوے محبت کے جتانے والوں کی بے وفائی، کور چشمی، نمک حرامی، غداری اور خود غرضی کی داستان ہے"(7)

واجد علی شاہ آغاز میں اِن اشعار سے اپنے آباؤ اجداد کا تعارف کراتے ہیں:

"یہ واجد علی ابن ماجد علی
سناتا ہے اب داستان رنج کی
جفاکشی کا شاہ اودھ نام ہے
حکومت کا آخر یہ انجام ہے"

(8)

بادشاہ کو سلطنت کے چھوڑ جانے کے کرب اور اذیت سے گزرنا پڑا جس سے واجد علی شاہ سفر کی مشکلات اور بادشاہت کے احساس میں اضافہ ہوا۔

"زمانہ تھا پیا کرتے تھے گوہر پاؤں کے نیچے
پر اب ہے دھوپ سر پر اور کنکر پاؤں کے نیچے"

(9)

واجد علی شاہ نے چند افراد کچھ سامانِ سفر، قریبی رشتہ دار، ماں، بھائی، ولی عہد اور چند بیبیاں ساتھ لیں:

"لیا ساتھ ماں کو اور اک بھائی کو
نہ کچھ کام فرمایا خودرائی کو
ولی عہد کو بھی لیا ہاتھوں ہاتھ
ہوئیں پانچ چھ بیبیاں میرے ساتھ
کیا بندے نے لکھنو سے سفر
لیاساتھ تھوڑا سا کچھ ماحضر
دکھادیا ماہ شعباں کا جب

روانہ ہوئے واں سے باصد تعب
بنارس میں آکے رہے چودہ روز
وہ راجہ کی کوٹھی میں ہم سینہ سوز"

(10)

واجد علی شاہ نے اپنی بیٹیوں بیویوں والدہ اور بھائی کو لندن بھیج دیا تا کہ وہ وہاں کے بڑے فرمانروا کو واجد علی شاہ کے حالات سے آگاہ کر سکیں۔ اِس سفر نامہ میں واجد علی شاہ کی بیوی اور بیٹی وفات پا گئے جن کی جدائی نے انہیں بہت دکھ دیا۔ واجد علی شاہ نے اپنے منظوم سفر نامہ میں اِن تمام واقعات کی عکاسی کی ہے جن حالات سے وہ گزرے۔ رام بابو سکینہ کے مطابق مثنوی "حزن اختر" جس میں مصائب سفر کا بیان نہایت دلکش اور پر تاثر انداز میں کیا گیا ہے اِس کی سلاست 'فصاحت اور خوبی بیان کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ واجد علی شاہ کا یہ سفر نامہ اِن کی حسرت اور دردمندی کی علامت ہے

واجد علی شاہ کا یہ سفر نامہ حسرت، دردمندی اور مشاہدے اور تاثر کا عکاس ہے۔

واجد علی شاہ نے اپنے سفر نامے میں اپنے داخلی اظہار کے ساتھ ساتھ اشعار میں اپنے مشاہدات کو بھی پیش کیا ہے۔ اُنھوں نے اپنے ساتھ سفر کرنے والوں کے احساسات اور مسائل سفر کو بڑی گہرائی اور باریک بینی سے دیکھا ہے سہل طلب اور عیاش پرست بادشاہ کو جب عام اِنسان کی طرح سفر کے دشوار راستے سے گزرنا پڑا تو بادشاہ کا احساس بیدار ہوا تو اُس نے وہ تمام حالت ایک واقعے کی صورت میں قلم بند کر دیئے واجد علی شاہ کا مثنوی "حزن اختر" منظوم سفر ناموں میں قیمتی اضافہ ہے۔ تہذیب لکھنؤ برصغیر کی نفیس ترین تہذیب کے نام سے موسوم ہے یہاں کے رہنے والوں کی عملی، اور ذہنی استعداد باقی لوگوں سے زیادہ ہے وہ ہر زبان کو ایک خاص لہجہ میں بول سکتے ہیں۔ اِن کے تلفظ میں ایسی صفائی اور نکھار ہے جو اور کسی کو نصیب نہیں۔ باتوں میں دلکشی، مزاج میں رنگینی، ذہانت میں حاضر جوابی، نکتہ رسی، تواضع، انکسار، بانکپن، سیر چشمی، دریا دلی، سخاوت، شجاعت، پاکیزگی، حسن پرستی اور نفاست اِن کے اوصاف ہیں۔ "کھانے پینے کے انداز بھی دُنیا بھر سے مختلف ہیں، لکھنؤ میں بادام اور آم کا شربت نہیں پیا جاتا گڑ سے بنی ہوئی چیزیں نہیں کھاتے، فالسوں کو بھی پانی میں ملا کر شربت نہیں بنایا جاتا بلکہ خاص طریقے سے دن بھر پانی میں بھیگا رہنے سے اِس کا رنگ اور ذائقہ پانی میں آجاتا تھا اِس کا شربت بنا کر پیتے تھے۔ زعفران اور لیموں کا شربت پسند کیا جاتا۔ ہر میٹھی چیز میں مٹھاس بھی تیز رکھی جاتی۔ اہل لکھنؤ کی ذہانت اور شائستہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے عالموں، فاضلوں، فلسفیوں اور سپاہیوں کی اولاد ہیں انھوں نے حکمت یونان سے، تہذیب ایران سے، فصاحت عرب سے اور فلسفہ ہند سے حاصل کیا اور ہزاروں برس اِن کو گود میں پالا۔ تاریخ میں شہنشاہ واجد علی شاہ کا شمار بھی لکھنؤ کی تہذیب یافتہ افراد میں ہوتا ہے جب وہ لکھنؤ کا بادشاہ بنا تو لکھنؤ کی تہذیب کا عروج تھا واجد علی شاہ نے تہذیب و تمدن میں مزید جدت پیدا ہوئی اور زندگی کے تمام شعبوں میں پہلے سے زیادہ نفاست اور انفرادیت کو قائم کیا۔ واجد علی شاہ فن تعمیر کا دِلدادہ تھا اس لیے اِس نے تعمیرات میں نئے نمونے اور ڈیزائن متعارف کرائے اِس نے باغ اور محل تعمیر کرائے جہاں سالانہ میلوں کا انتظام کیا جاتا تھا:

قیصر باغ کے میلے عہد واجدی اور واجد علی شاہ کے کمال کے اظہار اور فن موسیقی کی سرپرستی کے زریں دور ہیں حسن پرستی بھی لکھنؤ کی تہذیب کا حصہ ہے واجد علی شاہ حسن پرست بھی تھا اور جنس پرست بھی اِس کے محل میں سینکڑوں کنیزیں تھیں جو دن اور رات کے وقت مختلف کام اور احکام بجالاتی تھیں۔ واجد علی شاہ کی بیگمات کی تعداد بھی سینکڑوں میں تھی جن کے لیے شاہی دربار سے احکامات جاری کر دیئے گئے تھے اور رہنے سہنے کے اُصول بنا دیئے گئے تھے واجد علی شاہ جب قید ہوئے۔ تو اودھ جاتے ہوئے اُنھوں نے چند خواتین رشتہ دار اور چند بیگمات کو بھی ساتھ لیا۔

"کھانا پکانے کو ہمراہ ہوئی
مرے ساتھ زندان میں بھی وہ رہی
گلوری وہ مجھ کو کھلاتی تھی روز
بہ دِل مجھ پر رہتی ہے وہ سینہ سوز

دیا ساتھ اس ماہ لقانے مرا
یہ پوشاک درزی میں ہے خوش نما"

(11)

لکھنؤ کی زندگی امن و سکون آرام و آسائش، اطمینان، عیش و طرب، نشاط اور اِنسباط، سرور و سکون کی زندگی تھی اِس لئے درد واجدی کے بانکے، شہ زور، شہ سوار پراک اور غواصی، موسیقار، رقاص، مصور، خوش نویس اور خطاط، حکیم اور جراح، خیاط، درزی اور رنگریز، باورچی اور رکاب دار بہت مشہور ہوئے۔ جنھوں نے پوری دنیا میں اپنے فن کمال ہے اور نفاست سے ساری دنیا کو حیران کیا یہاں صنعتوں کو فروغ ملا اور نئی نئی ایجادات متعارف ہوئیں۔ رئیس جعفری کے مطابق:

"یہاں کی سوسائٹیوں اور مجلسوں کی رونق کبھی کم نہیں ہوئی بلکہ برابر بڑھتی رہی سوسائٹی کا کوئی بھی طبقہ پریشان روزگار اور آشفتہ حال نہیں تھا، ہن برس رہا تھا، اور ہر شخص اپنا حصہ پا رہا تھا نہ کہیں فاقہ کشی تھی نہ بیکاری، نہ فقر و فلاکت، نہ عسرت، غربت، ہر گھر عیش و نشاط کا مرکز تھا زندگی سے بیزاری کا جذبہ نہیں تھا زندگی کو برتنے اور اِسے پورے طور پر بہرہ ور ہونے کی ہر شخص میں امنگ تھی سب اپنے اپنے حال میں مگن اور مست تھے (12)"

واجد علی شاہ نے قید فرنگ میں بھی اِن رواجوں روایتوں کو زندہ رکھا اور اِس نے اودھ میں عالی شان کوٹھیاں اور محل بنوا دیئے اور اودھ کو بھی لکھنؤ کا ہی ایک نمونہ بنا دیا تھا انھیں قید میں رہتے ہوئے اپنے تمام ساتھیوں کی یادستاتی جنھیں وہ محل میں ہی چھوڑ آئے تھے۔ مثنوی "حزن اختر" میں انکی یاد میں اشعار اِن کے نام کے ساتھ تحریر کیے ہیں۔ واجد علی شاہ محل میں چھوڑ کر آنے والی بیویوں کو بھی یاد کر کے مثنوی میں اِن کے نام سے اشعار تحریر کیے ہیں۔ جس میں اُنھوں نے اِن کی بے وفائیوں کا ذکر کیا ہے:

"خجستہ محل تھی جو زوجہ مری
وہ ذیقعدہ کی بارھویں کو گئی
روانہ ہوئی موچی کھولے سے وہ
سب نکلی الفت کے تولے سے وہ
وہ تھی پندرہ سال سے میرے پاس
مری قید سے ہوگئی ہے
اداس نہیں بلہ لڑکر وہ راہی ہوئی
مری جان وہ دل کو تباہی ہوئی"

(13)

اِسی طرح واجد علی شاہ کے ساتھ لائی ہوئی کنیزوں اور بیویوں کے نام سے بھی اشعار تحریر کیے ہیں۔ اور اِن کو خراج تحسین پیش کیا ہے ولی عہد کی ماں ملکہ، ملک، تاج النساء، اور خاص طور پر جعفری بیگم کے نام سے اشعار اور نظمیں تحریر کی گئیں۔ بادشاہ نے اپنے جاہ و جلال اور محل کی چہل پہل کو بھی قید خانہ میں یاد کیا اور "حال خود" کے عنوان سے نظم تحریر کی جس میں انھوں نے لکھنؤ کی ساری تہذیب کو دہرایا۔

"کبھی سر پر رکھتا تھا میں کج کلاہ
اودھ کا کبھی میں ہی تھا بادشاہ
ملازم مرے تھے کبھی سو ہزار

مرے حکم میں تھے پیادہ سوار
فقط سترہ سو تھے اہل قلم
طبیبوں کو کر پانچ سو تو رقم
فقط پندرہ سو تو تھے چوبدار
رعایا وغیرہ کا کیا ہے شمار"

(14)

واجد علی شاہ نے اپنے منظوم سفر نامہ میں عہد واجدی کی تہذیب وثقافت کی بھرپور عکاسی کی ہے لکھنؤ کی تہذیب کا نمونہ اودھ میں بھی پیش کیا ہے اور بہت چیزوں کے نام خطابات اور القابات تحریر کیے۔ اُنھوں نے جانوروں اور پرندوں کے بھی القابات رکھے ہوئے تھے بیگمات اور کنیزوں کو بھی مختلف خطابات اور القابات سے نوازا جاتا تھا۔ واجد علی شاہ کا یہ منظوم سفر نامہ در حقیقت واجد علی شاہ نے کی اپنی زندگی کی داستان ہے۔ جس میں وہ اپنے داخلی مشاہدات کو بیان کیا اور خارجیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ بادشاہ نے اگرچہ یہ منظوم خود نوشت لکھی مگر اس مثنوی میں زندگی تمام واقعات وحالات کو منظوم کیا ہے۔ واجد علی شاہ کو زبان وبیان پر قدرت حاصل تھی ان کی نظم میں روانی بر جستگی تھی۔ مثنوی حزن اختر میں انھوں نے شستہ اور صاف زبان استعمال کی۔ انھوں مثنوی میں مختلف واقعات کو غیر معمولی قوت سے بیان کیا ہے۔ سفر کلکتہ کو منظوم کر کے منظوم سفر نامے کی روایت کو مضبوط کیا یہ مثنوی حمد کے اشعار سے شروع ہوتی ہے اور اگلا مضمون ساقی نامہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس مثنوی کا اختتام مناجات سے ہوتا ہے۔ مناجات میں اہل ہند کے لوگوں کیلیے دعا کی جاتی ہے۔ یہ مثنوی "حزنِ اختر" منظوم سفر ناموں اہم مقام رکھتی ہے۔ اس نے عہد واجدی کے بہت سے تاریک پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ "حزنِ اختر" نامکمل اور مختصر ہونے کے باوجود اپنی رنگینی، اسلوب کے باعث قابلِ توجہ ہے۔ عہد واجدی کی روایات اور رسمیات کو پیش کیا واجد علی شاہ کا یہ منظوم سفر نامہ اُردو ادب میں اہم مقام رکھتا ہے۔

## حوالہ جات


1. وہاب اشرفی، تاریخ ادبیات عالم، پورب اکادمی اسلام آباد، جلد دوم، جولائی 2012ء، ص۔ 264
2. رئیس احمد جعفری، واجد علی شاہ اور ان کا عہد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1964ء، ص۔ 97
3. انور سدید، اردو ادب کے سفر نامے، مغربی پاکستان اکیڈیمی، 1987ء، ص۔ 624
4. انور سدید، اردو ادب کے سفر نامے، مغربی پاکستان اکیڈیمی، 1987ء، ص۔ 625
5. انور سدید، اردو ادب کے سفر نامے، مغربی پاکستان اکیڈیمی، 1987ء، ص۔ 625
6. رئیس احمد جعفری، واجد علی شاہ اور ان کا عہد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1964ء، ص۔ 315
7. وہاب اشرفی، تاریخ ادبیات عالم، پورب اکادمی اسلام آباد، جلد دوم، جولائی 2012ء، ص۔ 265
8. رئیس احمد جعفری، واجد علی شاہ اور ان کا عہد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1964ء، ص۔ 315
9. رئیس احمد جعفری، واجد علی شاہ اور ان کا عہد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1964ء، ص۔ 319
10. رئیس احمد جعفری، واجد علی شاہ اور ان کا عہد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1964ء، ص۔ 105
11. رئیس احمد جعفری، واجد علی شاہ اور ان کا عہد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1964ء، ص۔ 320
12. رئیس احمد جعفری، واجد علی شاہ اور ان کا عہد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1964ء، ص۔ 283

13. رئیس احمد جعفری، واجد علی شاہ اور ان کا عہد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1964ء، ص۔۔320

14. رئیس احمد جعفری، واجد علی شاہ اور ان کا عہد، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، 1964ء، ص۔320